بنس کی چال

کاشف زبیر

کہتے ہیں انسان کو اپنے طور طریقے ...... اور اطوار پر کار بند رہنا چاہیے ...... مگر راجا اور جلیل کی زندگی میں ایسا ممکن نہیں ...... وہ ہمیشہ کسی نہ کسی افتاد کا شکار ہو کر اپنے تمام طریقے بھول جاتے ہیں.

عید قربان پر آپ سب دوستوں کے لیے پر مزاح و شگفتہ لمحات کا تحفہ

''یار جلیل... بجٹ آنے والا ہے۔'' راجا نے کسی سفید پوش کی سی فکر مندی سے کہا۔ حالانکہ اس نے جو پہنا ہوا تھا وہ نہ تو سفید تھا اور نہ ہی وہ اس میں پوری طرح پوش تھا۔

.... اس کی بات پر میں نے سرد آہ بھر کر تبصرہ کیا۔ ''ہم بھگتیں گے۔''

''پیٹرول بھی مہنگا ہونے والا ہے۔''

''ہاں، مشیر خزانہ کی نیچے کی نظر کمزور ہے اس لیے جب بھی پیٹرول کی قیمت نیچے آتی ہے تو وہ اسے دیکھ نہیں پاتے۔ البتہ جیسے ہی وہ اوپر جاتی ہے، وہ

فوراً دیکھ لیتے ہیں۔"

"یہ بھی سنا ہے کہ ایف آئی اے نے قرض کی قسط دینے سے انکار کر دیا ہے۔" راجا کی مراد یقیناً آئی ایم ایف سے تھی۔

"راجا! تو کہنا کیا چاہتا ہے... وہ بات کر۔"

"یار! ان سب کا اثر میرے اقتصادی حالات پر پڑے گا۔"

"ان کا نہیں، تیرے اقتصادی حالات پر صرف دو افراد سے تعلق کا اثر پڑتا ہے۔ ایک تیرا باپ اور دوسری نادر شاہ کی دختر بد اختر۔ اگر فریق اول سے تیرے تعلقات اچھے اور فریق ثانی سے خراب ہوں تو اس کا مطلب ہے تیرے مالی حالات اچھے ہیں اور ترتیب اس کے الٹ ہو تو خراب ہوں گے۔"

اس بار راجا نے سرد آہ بھری۔ "بدقسمتی سے آج کل دوسری ترتیب چل رہی ہے۔"

"یہ بدقسمتی روز اول سے تیرے ساتھ لگی ہے۔" میں نے تصحیح کی۔ "میں نے تیرے باپ کو کبھی خوش نہیں دیکھا۔"

راجا نے تائید کی۔ "وہ اس دن خوش ہوگا جس دن میں اس جہان فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔"

"خوشیوں کے معاملے میں تیرا باپ بھی کم نصیب ہے۔ اس کی تقدیر میں یہ خوشی نظر نہیں آتی۔"

"کون سی خوشی؟" راجا بے خیالی سے بولا۔

"یہی تیری وفات کی خوشی۔"

اس پر راجا نے نہایت غلط نظروں سے مجھے دیکھا۔ "یہی خوشی شنو کی قسمت میں نہیں ہے۔"

"اس کے نصیب میں تو دوسری خوشیاں نہیں ہیں۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "اماں اور خالہ ۔۔۔ اس کی خوشیوں پر پہرا لگائے بیٹھی ہیں۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ میں سہرے کی آرزو لیے گزر جاؤں گا۔"

"اور اس کے لیے مخصوص پھول تیری لحد پر ڈالے جائیں گے۔" راجا نے شرانگیزی کی۔ "مگر میرے دوست تو شنو کی فکر نہ کر... میں ہوں نا۔"

"یہی تو فکر ہے، اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ ایسا وقت آنے سے پہلے میں تجھے بھی ساتھ لے جانے کا بندوبست کر لوں۔" میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ میں اور راجا علاقے کے پبلک پارک میں بیٹھے تھے جس میں پبلک اتنی نہیں تھی جتنی کہ بھینسیں اور یہاں ہر طرف گوبر کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کسی زمانے میں یہ پبلک پارک تھا مگر اب یہ صرف ایک باڑہ رہ گیا تھا۔ ایک بھینس نے راجا کو سونگھ کر دیکھا اور واپس چلی گئی۔ غالباً اسے راجا میں اپنے کسی مرحوم بچھڑے کی شباہت محسوس ہو رہی تھی۔ راجا مجھے گھر سے تقریباً زبردستی نکال لایا تھا کیونکہ آج پہلی بار میرے گھر چاند بانو نے نزول کیا تھا اور میں کسی صورت گھر سے باہر جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ تو راجا نے روایتی کمینگی سے کام لیا اور مجھے وہ دھمکی دی جسے میں کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی اس نے شنو کو اطلاع دینے کا ارادہ کیا اور میں فوراً گھر سے باہر آگیا۔ راجا کو مناسب الفاظ میں اس کی حرکت پر خراج تحسین پیش کر کے ہم اس پارک میں آبیٹھے تھے۔

فتو کا ہوٹل ان دنوں تعمیر نو کے مراحل سے گزر رہا تھا کیونکہ ایک بدخصلت راشی سرکاری افسر نے اسے اپنی بڑی سی کار کی پارکنگ کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا تھا اور گورنمنٹ کا عملہ اگلے دن آکر اس کے ہوٹل کو ڈھا گیا تھا۔ اس میں فتو کا سماعت شکن ڈیک بھی جام شہادت نوش کر گیا تھا۔ اور سنا ہے کہ فتو سے زیادہ صدمہ اس علاقے میں کام کرنے والے ای این ٹی کو ہوا تھا... یعنی آنکھ کان اور ناک کے ڈاکٹر کو اس کے نصف مریض اسی ڈیک کی وجہ سے وجود میں آتے تھے۔ جوابی کارروائی کے طور پر فتو نے اپنے پہلوان سالوں کو آگے کیا جو ہمہ وقت کسی نہ کسی کی ہڈی توڑنے کے درپے رہا کرتے تھے اور جب کوئی اور نہیں ملتا تھا تو وہ فتو پر مشق ستم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سال کے آدھے مہینوں میں فتو کہیں نہ کہیں سے پلاسٹر میں ڈھکا نظر آتا تھا۔ فتو کے ان ہڈی شکن سالوں نے سرکاری افسر کو ہاتھ لگانے سے گریز کیا کہ اس سے سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کا کیس بنتا تھا مگر انہوں نے اس کی شدت سے کمائی کار کے ساتھ وہی کیا جو سرکاری عملے نے فتو کے ہوٹل کے ساتھ کیا تھا۔ میڈیا کے اس بے لگام دور میں سرکاری افسر نے خبر بننے سے پہلے ہی فتو سے ٹھیک ٹھاک چندہ کر لیا۔ اس نے کار ہٹا کر جگہ خالی کر دی اور فتو اپنا نقصان بھول گیا۔ ان دنوں علاقے کے سارے آوارہ گرد ذرا آوارہ ہو گئے تھے اور بے چارے گھر والوں کے لیے ان کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ ورنہ پہلے تو وہ سیدھے فتو کے ہوٹل جاتے تھے اور اپنے نور چشم اور لخت جگر کو پکڑ لاتے تھے۔

"راجا! بکواس بہت ہو گئی ہے۔ یہ بتا تیرا مسئلہ کیا ہے اور میں اس سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟"

راجا نے فلمی انداز میں ملامت زدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ قارئین کو معلوم ہی ہے کہ راجا کو کسی زمانے میں فلمی

ہیرو بننے کا شوق تھا مگر وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیاں بنانے کی وہ منصوبہ بندی کرتا تھا۔ یعنی فلم انڈسٹری اور پڑوسی ملک کی فلم انڈسٹری میں ترائی کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اول تو وہاں جانے والے شوقین حضرات کو خفیہ بھارتی ادارے را والے فوراً اپنی آنے والی فلم میں کاسٹ کر لیتے ہیں۔ اور اس فلم میں عام طور سے شوقین حضرات کا انجام وہی ہوتا ہے جو کسی زمانے میں امیتابھ بچن کا فلم کے آخر میں ہوتا تھا... یعنی انتقال پر ملال! اور اگر کوئی بچ جائے تو باقی عمر بھارتی جیلوں کی سہولیات سے فیض یاب ہوتے گزرتی ہے۔ ایسے کئی واقعات دیکھ کر راجا نے ممبئی جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اداکاری کا شوق وہ میرے ساتھ پورا کر لیا کرتا تھا۔

''جلیل! تو دوست نہیں، دوستی کے نام پر دھبا ہے۔'' اس نے اسٹارٹ لیا تھا کہ میں نے اس کی بات کاٹی۔

''کام کی بات کر.... دھبوں کے لیے سرف ایکسل ہے نا۔''

''یار! وہ تیرا یار ہے نا... مرزا بے ایمان۔''

''اس کا نام مرزا احسان ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں، وہاں دور میں بھی بزنس کی بات کرتا ہے۔''

''تیرے ساتھ؟'' میں نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''ہاں، کیا کوئی میرے ساتھ بزنس نہیں کر سکتا؟'' راجا نے برا مان کر کہا۔

''کر تو سکتا ہے اگر اس میں تیرے باپ جتنی قوت برداشت ہو تو۔''

''مجھے وہ کل ملا تھا۔ اس کا کہنا ہے وہ جلد ایک جنرل اسٹور کھولنے والا ہے اور اس نے مجھے اس بزنس میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے۔''

''راجا! میرا خیال ہے تو شوق سے اس کے ساتھ شامل ہو جا کیونکہ تیرے پاس لگانے اور گنوانے کو کچھ نہیں ہے۔ جیل بھی گیا تو گھر سے اچھی کھانے کو ملے گی... مار بھی اور کھانا بھی۔''

''جیل!'' راجا فکر مند ہو گیا۔ ''اس میں جیل کا کیا سوال؟''

''اس سوال کا جواب دینا تو مشکل ہے۔'' میں نے سمجھایا۔ ''کیونکہ مرزا جو کام بھی کرتا ہے بالآخر وہ پولیس کیس بن جاتا ہے... اور پولیس جیل ہی بھیجتی ہے۔ دہی تو بھیجنے سے رہی۔''

دو دوست ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اچانک ایک نے دوسرے سے کہا۔ ''ہمارے پیچھے کوئی خوب صورت لڑکی آ رہی ہے۔''

دوسرے نے پلٹ کر دیکھا تو واقعی ان کے پیچھے ایک خوب صورت لڑکی چلی آ رہی تھی۔ دوسرے دوست نے حیرت زدہ ہو کر پہلے سے پوچھا۔ ''تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہمارے پیچھے کوئی خوب صورت لڑکی آ رہی ہے؟''

''تم نے اس نوجوان کو دیکھا جو ابھی ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک پیدا ہو رہی ہے جو صرف خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر ہوتی ہے۔''

''یار! اس نے تو مجھے بہت سارے سبز باغ دکھائے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ آج کل اس سے زیادہ نفع بخش پیشہ کوئی نہیں ہے کیونکہ چیزوں کی قیمتیں دنوں کے حساب سے کسی زمانے میں بڑھتی تھیں، اب تو گھنٹوں کے حساب سے بڑھتی ہیں۔ دس کی چیز دیکھتے ہی دیکھتے بیس کی ہو جاتی ہے۔''

''راجا بیٹے! یہ کام آسان نہیں ہے۔ آدمی کو سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا پڑتا ہے اور تو تو دونوں ٹانگوں پر بھی زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ تو ہے مگر مرزا نے کہا ہے کہ وہ دو ملازم بھی رکھے گا۔'' راجا نے جواب دیا۔ ''میرا اور مرزا کا کام صرف کیش سنبھالنا ہوگا۔'' لفظ کیش کہتے ہوئے راجا کی زبان پر شیرہ سا آ گیا تھا۔ اسے کیش کے کام سے ہمیشہ رغبت رہی تھی اسی وجہ سے اس کے باپ نے اسے دکان سے دور کر دیا تھا کیونکہ وہ کیش کو گھر تک آنے ہی نہیں دیتا تھا۔

''لگتا ہے مرزا نے تجھے کچھ زیادہ ہی سبز باغ دکھا دیے ہیں۔'' میں نے غور کیا۔ ''ابھی اس نے اسٹور کھولا بھی نہیں ہے اور تجھے سہولتیں فراہم کرنے لگا ہے۔''

''تو تو کیوں جل رہا ہے؟'' راجا بھنا گیا۔

میں نے اسے رحم آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''اے پیدائشی بد قسمت... اگر اس دنیا میں تیرا کوئی ہمدرد ہے تو وہ یہی خاکسار ہے۔ میں تجھ سے کیوں جلنے لگا۔''

''مجھے مشورہ دے کہ میں مرزا کے ساتھ شامل ہوں یا نہیں؟''

''پہلے یہ بتا کہ مرزا نے کچھ کیا کرایا بھی ہے یا ایسے ہی چھوڑ رہا ہے؟''

''ہاں، اس نے گول مارکیٹ میں ایک دکان لے لی ہے۔ ان دنوں اس میں لکڑی کا کام چل رہا ہے۔''

’’لکڑی کا کام؟‘‘ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ’’تو تو کہہ رہا تھا کہ وہ جنرل اسٹور کھولنے کے چکر میں ہے۔‘‘

’’وہی تو... اس میں لکڑی کے ریک نہیں لگتے کیا؟‘‘

’’اچھا تو یہ بول نا۔‘‘ میں نے قریب سے گزرنے والی طرح دار خاتون کو دیکھا جو غالباً اسی لیے گھر سے نکلی تھیں کہ لوگ ان کو دیکھیں... وہ خود جامے سے باہر ہو رہی تھیں۔

’’اے ادھر!‘‘ راجا نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ’’تو کہاں کھو گیا؟‘‘

’’بس میرے دوست! آج کل جگہ جگہ ایمان خطرے میں ڈالنے والی چیزیں گھوم رہی ہیں۔‘‘ میں نے سرد آہ بھری۔ ’’ہاں تو تو کچھ کہہ رہا تھا۔‘‘

’’میں بکواس کر رہا تھا۔‘‘ اس نے بھنا کر کہا۔

’’اس میں کیا شک ہے۔‘‘ میں نے اس کی تائید کی۔ ’’مگر دوست... میں تیری بکواس بھی سننے کو تیار ہوں۔‘‘

’’جلیل! تو کیوں میرے ہاتھوں مرحوم ہونا چاہتا ہے۔‘‘ اس نے دانت پیسے۔ ’’میں مرزا کی بات کر رہا تھا۔‘‘

’’تب ہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تو بکواس کر رہا تھا۔‘‘ میں نے پھر چٹکی لی تو راجا غصے میں باسی سوڈے کی طرح ابل پڑا اور جتنی دیر اس نے میری مدح سرائی کی، میں نے آنے والی دوسری خاتون کا معائنہ کر لیا اور اس کے بعد سرد آہ بھر کر بولا۔

’’راجا! تیرے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے کیونکہ اصل مسئلہ تو تو خود ہے جو روز نیا مسئلہ پیدا کرتا ہے۔‘‘

’’بھاڑ میں جا۔‘‘ وہ بھنا کر کھڑا ہو گیا۔ ’’میں مرزا کے ساتھ شامل ہونے جا رہا ہوں۔‘‘

’’اچھا دوست پھر ملیں گے... کسی اسپتال میں یا پھر حوالات میں۔‘‘ میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ’’مرزا کے اکثر کاموں کا نتیجہ عام طور سے ان دو جگہوں پر جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔‘‘

راجا بکتا جھکتا روانہ ہوا تو میں نے فوری گھر کی راہ لی مگر افسوس کہ چاند بانو اپنی چاند سی صورت لے کر جا چکی تھی اور اماں ایک لمبی سی فہرست کے ساتھ میری منتظر تھیں۔ کاغذ پر متعدد لرزہ خیز سبزیوں کے نام لکھے تھے اور ظاہر ہے، اماں یہ سب پکانے کے لیے منگوا رہی تھیں۔ میں نے فریاد کی۔

’’کیا گائیں اور مرغیاں مر گئی ہیں جو تم یہ کدو کریلے پکا کر کھلا رہی ہو؟‘‘

’’بکواس نہ کر... کما کر لاتا ہے جو فرمائشیں کر رہا ہے۔ بے چارہ خلیل نہ ہو تو تجھے یہ سبزیاں بھی نہ ملیں۔‘‘

’’کماتا کیوں نہیں ہوں۔‘‘ میں نے بھنا کر کہا۔ ’’جو لاتا ہوں، وہ تمہاری چہیتی اسے جہیز فنڈ میں شامل کر لیتی ہے۔‘‘

’’حرام کی کمائی ہے تبھی تو تیری شادی میں تاخیر ہو رہی ہے۔‘‘ اماں نے نکتہ اٹھایا۔

’’اماں! میں کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے ہیرا پھیری چھوڑ دی ہے۔‘‘ میں نے عاجز آ کر کہا اور ٹوکری لے کر باہر کا رخ کیا ورنہ اماں کا لیکچر شروع ہو جاتا تو خاصی دیر تک جاری رہتا۔ باہر آتے ہی میری طبیعت درست ہو گئی تھی کیونکہ چاند بانو دروازے پر کھڑی تھی اور شاید میرے انتظار میں ہی کھڑی تھی۔ اس نے آواز دی۔

’’جلیل! ذرا سننا۔‘‘

اور میں کھنچا چلا گیا۔ ’’کہو چاند بانو۔‘‘

’’وہ... مجھے کچھ سامان منگوانا ہے۔‘‘ اس نے ایک روشن مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ’’لا دو گے؟‘‘

’’سر آنکھوں پر۔‘‘ میں نے جواب دیا اور اس کے سامان کی پرچی پکڑ کر روانہ ہو گیا۔ یہ تو خیال مجھے آیا ہی نہیں تھا کہ اس نے مجھے رقم نہیں دی تھی اور میرے پاس صرف اماں کے دیے پیسے تھے۔ مجبوراً مجھے انہی سے چاند بانو کے لیے خریداری کرنا پڑی۔ اب اماں کے سودے کی شاپنگ کہاں سے کرتا؟ سودے کے بغیر گھر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ چاند بانو سے مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی اس لیے اسے سودا تھما کر میں نے خاموشی سے چھت کا رخ کیا اور بلی کی آواز میں شنو کو سگنل دیا۔ وہ کچھ دیر بعد آئی تھی۔

’’جلیل! خدا کے لیے بلی کی آواز تو درست نکال لیا کرو۔ تمہاری آواز سن کر اماں نے کہا... ایسا لگ رہا ہے جیسے جلیل بلی کی آواز میں بول رہا ہو۔‘‘ اس نے آتے ہی کہا۔

’’اس کا مطلب ہے خالہ آواز شناس ہیں۔‘‘ میں نے خفت سے کہا اور پھر سرد آہ بھری۔ ’’میرے دل کی آواز وہ نہ جانے کب سنیں گی۔‘‘

’’تمہارے دل کی آواز میری اماں نہیں بلکہ تمہاری اماں نہیں سن رہی ہیں۔‘‘ شنو کچھ خفا لگ رہی تھی اور اس کا لڑائی کا موڈ ہو رہا تھا۔ ’’جلیل! یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟‘‘

’’میرا خیال ہے کہ ایک آدھ مہینے میں ختم ہو جائے گا۔‘‘

’’کیا مطلب...‘‘ وہ غرائی۔

’’بھئی میں ڈرامے والے سلسلے کی بات کر رہا ہوں۔‘‘ میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ ’’لگ رہا ہے جلد اس کا

انجام ہونے والا ہے۔''
''جلیل! میں اپنی اور تمہاری زندگی کی بات کر رہی ہوں۔'' شنو خلافِ توقع سنجیدہ ورہی۔ ''اب تو اماں بھی تنگ آ گئی ہیں۔ کب تک مجھے گھر بٹھائے رکھیں گی؟''
''یہ بات تو ان کو اماں سے پوچھنی چاہیے۔''
''ان سے کہا تھا مگر ان کی ایک ہی رٹ ہے کہ جب تک تم کوئی کام نہیں کرو گے، شادی نہیں ہوگی۔''
''تب بتاؤ میں کیا کروں؟'' میں اپنا مسئلہ بھول گیا۔
''کام کرو۔'' شنو نے سادہ سا حل پیش کیا۔
''کیا کام کروں؟''
''مجھے کیا پتا، کچھ بھی کرو۔'' اس نے خفگی سے کہا۔
''کیا دنیا کے باقی کام مجھ سے پوچھ کر کرتے ہو جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔''
''میں ابھی سے سعادت مند شوہر ہوں۔'' میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم مجھے آزما کر دیکھو۔''
حسبِ توقع اس کا موڈ بدل گیا اور اس نے سرخ ہو کر کہا۔ ''بے شرم... بے ہودہ۔''
''شوہر اتنی شرم ناک چیز تو نہیں ہوتا۔'' میں نے خود کہا۔ ''جو تم مجھے ایسے القابات سے نواز رہی ہو۔ اور میں نے کون سا کام تم سے پوچھے بغیر کیا ہے؟''
''یہ پڑوسنوں کو چیزیں مجھ سے پوچھ کر لا کر دیتے ہو؟'' شنو نے طنز کیا تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کیا اس نے مجھے چاند بانو کے لیے سامان لاتے دیکھ لیا تھا؟
''شنو! خدمتِ خلق کسی سے پوچھ کر نہیں کرتے۔ اور اس وقت میں ایک کام سے آیا تھا اس لیے تمہارا باقی لیکچر پھر سنوں گا۔''
''میرے پاس رقم نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔
''اے سنگ دل حسینہ!'' میں نے فریاد کی۔ ''کیا تو شادی سے پہلے بیوہ ہونا چاہتی ہے؟''
''خدا نہ کرے۔'' وہ خفا ہو گئی۔ ''کیسی باتیں کرتے ہو؟''
''یہ باتیں نہیں حقیقت ہے۔ اگر تم نے فوری طور پر مجھے تین سو روپے نہیں دیے تو میں اماں کے ہاتھوں مارا جاؤں گا۔''
''وہ کیوں؟'' اس نے کج بحثی کی۔
''وہ... اماں نے مجھے... سودا لینے کے لیے تین سو روپے دیے تھے اور...''
''وہ خرچ ہو گئے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔
''جلیل! یہ کہانیاں پرانی ہو چکی ہیں۔''
''شنو! یہ کہانی نہیں ہے۔'' میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی مگر وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے اس کی منت سماجت کی اور یہ دھمکی تک دے دی کہ اماں مان بھی گئیں تب بھی میں گھوڑے پر سہرا ڈالے آنے سے انکار کر دوں گا۔ وہ میرا مذاق اڑانے لگی۔
''تمہیں ڈھو کر لانے والا گھوڑا آنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن تمہیں سہرے تو کیا بغیر کپڑوں... ہم میرا مطلب ہے عام سے کپڑوں میں بھی آنا پڑا تو تم سر کے بل آؤ گے۔''
میں نے دل میں اس کی بات کو تسلیم کیا اور منہ سے اسے بے نقط سناتا ہوا رخصت ہونے لگا تو اس نے عقب سے پکار کر کہا۔ ''آئندہ آتے ہوئے کچھ رقم ضرور لانا۔ مجھے اس بار سینٹر کی فیس دینی ہے۔''
میں نے دل میں سوچا کہ فیس تو میں ایسی دوں گا کہ یاد رکھو گی۔ شنو ان دنوں چینی کھانے بنانے کے ایک کورس میں حصہ لے رہی تھی۔ ایک بار وہ کچھ بنا کر بھی لائی تھی جسے میرا خیال ہے چینی بھی نہیں کھا سکتے تھے اور یہ ڈش پاکستان اور چین کے تعلقات خراب کرنے کی سازش لگ رہی تھی۔ میں نے اس کا اظہارِ خیال کیا تھا تو شنو میری اس حق بیانی کا برا مان گئی تھی اور اب تک خفا تھی۔ اس نے تین سو روپے دینے سے انکار اسی وجہ سے کیا تھا۔ اماں کا سامنا کرنے کے بجائے میں نے ایک بار پھر باہر کا رخ کیا اور اس بار میں راجا کے گھر پہنچا۔ اگرچہ اس سے تین سو روپے کی توقع ایسی ہی تھی جیسے بیل سے دودھ کی توقع... مگر معجزے اسی دنیا میں ہوتے ہیں اور ممکن ہے مجھے راجا سے تین سو روپے مل جاتے۔ مگر افسوس راجا منحوس گھر سے غائب تھا۔ اس کے جلاد صفت باپ نے اسے بے نقط سناتے ہوئے اور اسے لاولد ہونے کے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''وہ خبیث کہیں مرا ہو گا۔ مجھ سے زیادہ تم جیسے دوست نما دشمن کو اس کا پتا ہوتا ہے۔''
''اس کا تو مجھے بھی نہیں پتا ہے راجا کے نام نہاد باپ!'' میں نے کہا اور پھر جان بچانے کے لیے دوڑ لگائی کیونکہ راجا کے باپ نے ایک ڈھائی کلو کا پتھر اٹھا لیا تھا۔ اس نے پتھر فائر کیا وہ ایک دھماکے کے ساتھ پڑوسی کے دروازے پر لگا جس سے اس کی خاندانی دشمنی تھی۔ یہ پتھر اعلانِ جنگ سے کم نہیں تھا۔ میں نے گلی سے نکلتے ہوئے پڑوسی کو اپنی آل اولاد سمیت نکلتے دیکھا تھا۔ راجا کا باپ آج یقیناً خسارے میں رہتا۔ راجا کے بعد میرا دوسرا آسرا اعجی سے

تھا جس سے ایک روپیا نکلوانا بھی ایسا تھا جیسے بیل سے دودھ کے ساتھ بچہ بھی حاصل کرنا۔ مگر میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ معجزے اسی دنیا میں ہوتے ہیں اس لیے میں جمی کے گھر جا پہنچا۔ بھری دوپہر میں وہ سخت قابل اعتراض نیکر اور اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض بنیان پہن کر بیٹھا تھا۔ حسب معمول اس کی نشست حمام خانے کے صحن کے اکلوتے درخت تلے تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور جس انداز سے باچھیں پھیلائیں، اس سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ یا تو کسی مشکل میں پڑ گیا ہے یا پھر اس نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ پہلی بات درست تھی کیونکہ اس نے باچھیں پھیلانے کے ساتھ جمیل کا نعرہ بھی بلند کیا تھا۔ "میرے دوست! میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔"

"خیریت؟" میں اس کے پاس ہی زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ "آج تجھے میری یاد کیسے آ گئی؟"

"جمیل! مجھے تیری سخت ضرورت ہے۔"

"تجھے میری ضرورت بھی نہیں رہی ہے۔ اور تو ایک بات بھول رہا ہے۔ تیری طرف میرے کچھ واجبات نکلتے ہیں۔ مبلغ دو ہزار سات سو ستاسی روپے۔"

"دوستوں سے اتنا حساب کتاب؟" جمی نے برا مان کر کہا۔

"تو نے خود ہی کہا تھا۔" میں نے دانت نکالے۔ "آگے بات کرنے سے پہلے پچھلا حساب صاف کر دے۔"

بادل ناخواستہ جمی نے بنیان یا نیکر میں سے ایک بٹوا برآمد کیا اور اس میں سے گن کر دو ہزار سات سو ستاسی روپے مجھے ادا کر دیے۔

"حساب دوستاں در دل۔" میں نے رقم دل کے سامنے والی جیب میں رکھی۔ جمی کو فارسی اتنی ہی آتی تھی جتنی کہ راجا کے باپ کے گدھے کو آ سکتی تھی، اس لیے وہ بالکل بھی نہیں سمجھا تھا۔ اس نے دکھی لہجے میں پہلی بری خبر سنائی۔ "مس حسینہ بھاگ گئی۔"

"کون سی مس حسینہ... اور کس کے ساتھ؟"

"دوسری منزل پر رہنے والی مس حسینہ اپنے شوہر کے ساتھ بھاگ گئی۔" اس نے دوسری منزل پر رہنے والی بنگالن کا ذکر کیا جو کرایے کی ادائیگی اعضا کی شاعری کی مدد سے کر دیتی تھی۔ یعنی جمی جب اس سے کرایہ لینے جاتا تھا تو وہ اسے ڈانس کر کے دکھاتی تھی۔ میں بھونچکا رہ گیا۔

"شوہر کے ساتھ... بھلا شوہر کے ساتھ کون بھاگتا ہے؟"

"فراڈ ہے۔" جمی نے جواب دیا۔ "وہ چار مہینے کا کرایہ ادا کیے بغیر بھاگ گئی۔"

"وہ کیسے؟ کرایہ تو وہ بہ انداز دگر ادا کرتی تھی۔"

"اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔" جمی بولا۔ "اس لیے کرایہ نہیں مل رہا تھا۔"

"چل یار مٹی ڈال!" میں نے ایک معروف سیاست دان کے طرز سیاست کے انداز میں کہا۔ اس پر جمی نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"چار مہینے کا کرایہ بھول جاؤں؟ میں تو اسے قیامت تک نہیں بھولوں گا۔" اس نے کہا۔ میرا کام ہو چکا تھا اس لیے مجھے اب جمی کی باتوں میں زیادہ دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی، میں نے جماہی لی۔

"جمی! کام کی بات کر... ابھی مجھے گھر جا کر اماں کو سودا بھی دینا ہے۔"

"یار! مرزا میرے دو لاکھ کھا کر بیٹھا ہے۔" جمی نے اتنے کرب ناک لہجے میں کہا جیسے مرزا اس کی گردن دبا کر بیٹھا ہو۔

"یہ کون سی نئی بات ہے؟ تیری دولت ایسے لوگوں کے لیے تو ہوتی ہے۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "کہاں تو تیرا یہ حال ہے کہ کسی یار کو ایک روپیا بھی نہ دے اور کہاں مرزا جیسے لوگ تیرے پیسے دبا کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

جمی کھسیانا ہو گیا۔ "وہ یار، میں نے اسے ایک مکان کا سودا کرانے کو کہا تھا، اس نے بیعانہ خود لے لیا..."

"اور وہ کھا گیا۔" میں نے جمی کی بات کاٹی۔ "جمی! اسے بھول جا... مرزا جیسے لوگ کسی کا کھایا مال واپس نہیں کرتے... ہاں ان کی گردن پھنس جائے تو نکلوایا جا سکتا ہے۔"

"تو یار جمیل... اس کی گردن پھنسا نا۔" جمی نے مظلومانہ انداز میں کہا۔

"میں یہ سارے چکر چھوڑنے والا ہوں کیونکہ اب میں شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہو گیا ہوں۔ تو نے دولت سے شادی کر لی ہے اور راجا، عارفہ کے ساتھ خوش ہے۔ میں ہی لنڈورا پھر رہا ہوں۔"

"چکر چھوڑے گا تو کھائے گا کہاں سے...؟" جمی نے نکتہ اٹھایا۔

"کچھ کر لوں گا... اور کچھ نہیں تو کریانے کی دکان ہی کھول لوں گا۔" یہ کہتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ مرزا نے راجا کو کسی جنرل اسٹور کا جھانسا دیا تھا اور اگر یہ بات سچ تھی تو میں جمی کی رقم نکلوا سکتا تھا، جمی سے آخری بار کچھ وصول کر لیتا۔ میں نے جمی کی طرف دیکھا۔ "یہ بتا کہ مرزا سے رقم نکلوانے کے لیے کتنا خرچ کر سکتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے مظلومانہ انداز میں کہا۔

''میری حالت ان دنوں بہت نازک ہے۔''

''وہ تو لگ رہی ہے۔'' میں نے اس کی فٹ بنیان اور نیکر کی طرف غور سے دیکھا۔ ''یہ کپڑے تو نے کسی سے ادھار مانگے ہیں یا کوئی رقم کے بدلے دے گیا ہے؟''

''جلیل! تو میرا دوست نہیں ہے؟'' جمی نے فریاد کی۔

''دوست تو ہوں پر کیا کروں، اب میں شنو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس کے ساتھ رہنے کے لیے رقم کی ضرورت ہے اور میں ان فی سبیل اللہ کے چکروں میں پڑنے کے بجائے کمانے کے دھندوں میں پڑنا چاہتا ہوں۔''

''دوست دوست نہ رہا۔'' جمی نے ایک پرانے گانے کا مصرع دہرایا۔ میں نے اس کی تائید کی۔

''عنقریب شوہر بننے والا ہے۔''

جمی نے مجھے گھورا۔ ''بیٹے! یہ غلط فہمی دل سے نکال دے۔ تیری شادی نہیں ہونے والی۔''

''تو اپنے بارے میں سوچ۔'' میں نے اشتعال انگیزی کی۔ ''سنا ہے چڑیا گھر میں ہتھنی بیوہ ہوئی ہے۔ کہے تو بات کروں۔''

اس سے پہلے کہ جمی ناگفتنی شروع کرتا، میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

میں نے اماں سے کہا۔ ''تم کیا چاہتی ہو، میں کیا کروں؟''

''کچھ بھی کر، کوئی محنت کا کام کر... یہ چکر چھوڑ دے۔''

''بے شک میں کوئی دکان کھول لوں؟''

''ہاں... اللہ بخشے تمہارے نانا کی خیر پور میں دکان ہی تو تھی۔''

''تب ہی تو ابا شکوہ کرتے کرتے مر گئے کہ تم جہیز میں کچھ لائی ہی نہیں۔''

''بکواس نہ کر... میرے ابا حلال کی کماتے تھے۔''

''ابا تو کہتے تھے کہ وہ گاہکوں کو حلال کر کے کماتے تھے۔''

''بے غیرت!'' اماں نے جوتی اٹھائی مگر فائر کرنے سے پہلے ہاتھ روک لیا۔ ''تو مجھے چھیڑ رہا ہے تاکہ میں اصل بات بھول جاؤں۔''

''ابا اگر زندہ ہوتے تو وہ بھی تمہیں نہ چھیڑتے... اور موضوع تو میں نے چھیڑا تھا۔''

''حیرت ہے، آج تجھے کیسے خیال آ گیا؟''

''اماں! بس بہت ہو گئی۔ تم مجھے ایک کام بتا دو۔ میں وہ کرنے کے لیے تیار ہوں، پر ایک کام دے دو کہ اس میں

''اچھا تو تم اپنی بیوی کے ساتھ فوٹو اتروانے گئے تھے۔ یقیناً بہت ہی اچھا فوٹو اترا ہو گا، فوٹو گرافر نے تم دونوں کا پوز کیسا بنایا تھا؟''

''فوٹو گرافر نے کہا کہ آج کل کا زمانہ فطری اور حقیقی فوٹو اتروانے کا ہے چنانچہ اس نے میری بیوی کو میرے پاس اس طرح کھڑا کیا کہ اس کا ہاتھ میری جیب میں تھا۔''

میری شادی کر دو گی۔''

اماں دکھی نظر آنے لگیں۔ ''جلیل! تو سمجھتا ہے میں جان بوجھ کر تیری شادی نہیں کر رہی؟''

''نہیں اماں... پر اتنی دیر کیوں کر رہی ہو... میرا نہیں تو شنو کا خیال کرو... خالہ لاؤڈ اسپیکر کا خیال کرو۔''

''ان کا ہی تو خیال ہے ورنہ میں کل تیری برات لے جاؤں۔'' اماں نے سرد آہ بھری۔ ''بچی والے بہت مجبور ہوتے ہیں۔ اگر تو نے شادی کے بعد بھی یہی چھن رکھے تو میں نفیسہ کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گی۔''

''اماں! میں شادی کے بعد بالکل بدل جاؤں گا۔'' میں نے جلدی سے کہا تو اماں نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں میرے بچے! میں اس کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ معاملہ کسی اور کی بچی کا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں ابھی کوئی کام کروں۔''

''ظاہر ہے ورنہ اپنی بیوی کو کیسے رکھے گا... شادی کے بعد تو خرچے دگنے ہو جاتے ہیں... اور تو اپنے لیے بھی مانگ تانگ کر گزارہ کرتا ہے۔''

مجھ پر اتنا ہی پانی پڑ گیا تھا جتنا برسات کے موسم میں آسمان سے اہلیانِ کراچی پر گرتا ہے۔ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اماں! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب تمہیں کما کر دکھاؤں گا۔''

''جلیل! میں اس قسم کے ڈائیلاگ بہت سالوں سے سن رہی ہوں اس لیے جب کچھ کر لے تو میرے پاس آنا۔ بلاوجہ دماغ مت کھاؤ۔''

مجھے کوئی کام ٹھیک کرنا ہو یا معاملہ ہیرا پھیری کا ہو... مجھے راجا کی ہی سوجھتی تھی۔ گھر سے نکل کر میں سیدھا راجا کے پاس پہنچا۔ وہ گھر میں تھا کیونکہ اس کے باپ کی چیخم دھاڑ باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ اتنا شیر وہ صرف راجا کے سامنے ہی ہوتا تھا۔ بیوی کے سامنے وہ بکری کی طرح منمنانے لگتا تھا۔ میں سامنے تھڑے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد راجا باہر آیا اور آ کر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

www.pkd

’’مجھے یقین تھا کہ تو آیا ہوگا۔‘‘ اس نے ایک عدد بیڑی سلگا کر کہا۔ ’’میری کم بختی بھی اکیلی نہیں آتی ہے۔‘‘

’’راجا! آوازوں سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے تو بس اینڈ پر ہے۔‘‘ میں نے اس کا جائزہ لیا۔ ’’مگر بہ ظاہر تو چنگا بھلا لگ رہا ہے۔‘‘

’’اداکاری کا ماہر ہوگیا ہوں۔ ابا کے مارنے سے پہلے ایسا واویلا مچاتا ہوں کہ اماں کا دل دہل جاتا ہے۔‘‘ اس نے مسکرا کر کسی قدر سوج جانے والے آنکھ ماری۔ ’’کیا بات ہے... تیرا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟‘‘

’’یار راجا... ہم کب تک ایسی زندگی بسر کرتے رہیں گے۔‘‘ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ’’کب تک مار اور دھکے کھاتے رہیں گے؟‘‘

’’جب تک نصیب میں ہے۔‘‘ راجا نے آہ بھری تو بیڑی کا دھواں اس کے دل سے اٹھتا لگا۔

’’ہمیں اپنا نصیب بدلنے کی کوشش تو کرنی چاہیے۔‘‘

’’تبھی تو میں نے مرزا کی پیش کش قبول کر لی ہے۔‘‘ راجا بولا۔ ’’ابھی میں نے ابا کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔‘‘

’’اچھا، آج کی تقریب پذیرائی اسی سلسلے میں تھی؟‘‘ میں نے کہا۔

’’ہاں، ابا مجھے بھی گدھا ہی سمجھتا ہے... بلکہ اپنے گدھے کا وہ پھر بھی خیال رکھتا ہے مگر مجھے اس سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔‘‘

’’تیرا اپنے باپ کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ مرزا نے تجھے ایسی کون سی گولی دی ہے جو تو اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوگیا ہے؟‘‘

’’اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اس نے چکر بازی چھوڑ دی ہے اور اب شرافت سے روزی کمانا چاہتا ہے۔‘‘

’’راجا پاگل... میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ دو بار اور پیدا ہو جائے تب بھی شرافت سے نہیں کما سکتا۔‘‘

’’کیوں جب تو شرافت سے کمانے کی بات کر سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں کر سکتا؟‘‘ راجا نے خفگی سے کہا۔

’’میری بات اور ہے، میری تو مجبوری ہے۔‘‘ میں نے کھسیا کر کہا۔ ’’مگر مرزا کی ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔‘‘

’’اس نے دکان لے لی ہے، اس میں کام کروا رہا ہے اور چند دن میں سامان بھی آجائے گا۔ اس نے تو دکان کا بورڈ بھی بنوالیا ہے۔‘‘

’’اچھا، نام کیا رکھا ہے؟‘‘

’’مرزا راجا جنرل اسٹور!‘‘ راجا نے فخر سے بتایا۔ ’’میں اس کا برابر کا پارٹنر ہوں۔‘‘

’’سامان کہاں سے آئے گا؟‘‘

’’اس نے تین چار ڈسٹری بیوٹرز سے بات کر لی ہے... میں ساتھ ہی گیا تھا۔‘‘

’’اس نے تیرا تعارف کیا کہہ کر کرایا تھا؟‘‘

’’اپنا پارٹنر کہہ کر!‘‘ راجا نے بتایا۔ ’’اپنے ساتھ میرے شناختی کارڈ کی کاپی بھی دی تھی۔‘‘

’’تیرے اصلی شناختی کارڈ کی؟‘‘ میں نے تشویش سے کہا۔

’’تو تیرے خیال میں میرے پاس جعلی شناختی کارڈ بھی ہے؟‘‘ راجا بھنا گیا۔

’’بیٹے! تیرے پاس تو نہیں ہے مگر میں جانتا ہوں کہ مرزا کے پاس کئی شناختی کارڈ ہیں... اور اگر کوئی چکر ہوا تو وہ تو صاف بچ جائے گا اور تو مارا جائے گا۔‘‘

’’خدا نہ کرے... جمیل منحوس صورت... باتیں بھی منحوس کرتا ہے۔ تو اصل میں جل رہا ہے۔‘‘ راجا نے دہل کر کہا۔

’’راجا اصلی اور روزے کی کدرے۔ میں تجھے مرزا کی اصلیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔‘‘ اس بار میں بھنا گیا۔ ’’وہ اتنا بڑا دھوکے باز ہے کہ تجھ جیسے دس کو بیچ کر کھا جائے اور تجھے خبر بھی نہیں ہوگی۔‘‘

’’تیرا مطلب ہے میں اس کے ساتھ کام نہ کروں۔‘‘ اس نے جارحانہ انداز میں کہا۔

’’نہیں، کام کر... کیونکہ تو منع کرنے سے تو باز نہیں آئے گا مگر اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھ۔ مرزا کی ہر حرکت پر غور کر مگر اس سے کوئی سوال مت کرنا، وہ بہت عیار آدمی ہے۔ اس کے پاس ہر سوال کا ایسا جواب ہوگا کہ تو سو فیصد مطمئن ہو جائے گا۔‘‘

’’پھر مجھے اس کے دھوکے کا کیسے پتا چلے گا؟‘‘ راجا کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔ میں جھنجلا گیا۔

’’اپنی ذاتی عقل سے... اگر تو نے گنوا نہ دی ہو تو!‘‘

راجا نے بچ جانے والی بیڑی ایک طرف اچھال دی۔ ’’اچھا دوست! میں تمہاری باتوں پر ضرور غور کروں گا۔‘‘ اس کا انداز استہزائیہ تھا۔ ’’اگر مجھے فرصت ملی کیونکہ کام بہت ہے ایک ہفتے بعد دکان کا افتتاح ہے... حضرت مولانا منظور ذی کے دست مبارک سے!‘‘

’’ابے وہ جعلی مولوی ہے... اسے عربی تک تو پڑھنی

www.pkdigest.com

آتی نہیں ہے۔“

”کوئی بات نہیں... افتتاح ہی کراتا ہے، کوئی جنازہ تو نہیں پڑھواتا ہے۔“ راجا جاتے جاتے بولا۔

”تیرا جنازہ بھی کوئی ایسا ہی مولوی پڑھے گا۔“ میں نے بھنا کر کہا مگر وہ جا چکا تھا پھر اس کا باپ آ گیا۔ اس نے راجا کے بارے میں پوچھا۔

”وہ ولد الحرام کہاں ہے؟“

”مجھے کیا پتا!“ میں نے رکھائی سے جواب دیا۔ ”اپنی اولاد کے بارے میں تم بہتر جانتے ہو۔“

”خبیث!“ راجا کے باپ نے پھر ڈھائی سیر کا پتھر اٹھایا تو مجھے بھاگنا پڑا۔ اس بار اس نے پتھر بالکل ٹھیک فائر کیا تھا۔ یہ تو پڑوس کے خاندانی دشمن نے خود دخل در معقولات کیا اور عین وقت پر اپنا سر دروازے سے نکالا۔ اس کی دل خراش ہائے سن کر میں نے رفتار تیز کر دی۔ میرا دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ اب راجا کے باپ کی تھانے تشریف آوری لازمی تھی جہاں نادر شاہ اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو وہ کپڑوں کے ساتھ کرتا تھا۔

راجا کے باپ کے لیے میرے دل میں کتنے ہی برے جذبات تھے، راجا بہر حال میرا دوست تھا اور میں اسے مرزا کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا جو اتنا موقع پرست تھا کہ ضرورت پڑنے پر باپ کو گدھا قرار دے سکتا تھا۔ میں نے جمن خانے کا رخ کیا جہاں جمی سرعام غسل فرمانے کے بعد سرعام ہی سوکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا جس میں ذاتی صفائی کے ساتھ کپڑے بھی دھل جاتے۔ یعنی وہ کپڑوں سمیت نہا لیتا تھا اور پھر دھوپ میں بیٹھ کر کپڑوں کو خود سمیت خشک کر لیا کرتا تھا۔ اس میں صابن اور تولیے کے ساتھ پانی کی بچت بھی ہوتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے منہ بنایا۔ ”اب کیوں آیا ہے جلیل کہیں کے۔“

”بس تجھ پر ترس آ گیا تھا۔“ میں نے ایک سگریٹ جلا کر اسے دی اور دوسری اپنے لیے سلگالی۔ ”یہ بتا کہ مرزا نے کس چکر میں تجھ سے دو لاکھ لیے تھے؟“

”تجھے بتایا تو تھا ایک مکان کا معاملہ تھا۔“ جمی نے سگریٹ... لینے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ مفت میں زہر کھانے کو مل رہا ہو تو آدمی کو ضرور کھا لینا چاہیے۔

”پھر بھی کچھ تفصیل تو بتا، کیا چکر تھا؟“

”تو کیوں پوچھ رہا ہے؟“ جمی نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

”تجھے اپنی رقم واپس چاہیے یا نہیں؟“

”کیوں نہیں چاہیے۔“ وہ فوراً بولا۔

”تب مجھے بتا۔“

مرزا نے جمی کے ایک مکان کا سودا کرایا تھا اور خریدار سے دو لاکھ روپے بیعانے کے طور پر لے لیے تھے۔ رقم تو مرزا کھا گیا تھا اور ڈنڈ... جمی کو پڑا تھا کیونکہ پارٹی طاقت ور تھی اور اس نے ذرا دھمکا کر جمی سے مکان کا سودا کروا لیا تھا۔ اب مرزا مفرور تھا۔ ایک دو بار جمی نے اسے پکڑا تو وہ اسے دلاسے دے کر نکل گیا تھا۔ جمی کی مجبوری یہ تھی کہ وہ ہاتھی جیسی جسامت میں چوہے کا سا دل رکھتا تھا اور کسی کے ساتھ زبردستی یا مار پیٹ نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ اکیلا ہی اپنے تمام مقروضوں اور نادہندگان کے لیے کافی ہوتا۔

”یہ ہے ساری کہانی۔“ جمی نے ٹھنڈی سانس لی۔

”وہ دغا باز حرامی اب کے میرے ہاتھ آیا تو میں اس کی...“ جمی نے آگے جو کہا، اسے بیان نہیں کیا جا سکتا... کیونکہ اس قسم کے جملے صرف پارلیمان میں چلتے ہیں۔

”مرزا کی خوبیاں بہت مضبوط ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ بتا تو اس سے اپنی رقم کی واپسی چاہتا ہے؟“

”کیوں نہیں مگر میں تجھے ابھی کمیشن نہیں دے سکتا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”جمی! میں تیری ڈوبی ہوئی رقم دلوا رہا ہوں اور تو مجھے دس ہزار نہیں دے سکتا؟“ میں نے کہا تو جمی اچھل پڑا۔

”دس ہزار... تیرا دماغ درست ہے؟ اتنا کمیشن تو رئیل اسٹیٹ والے بھی نہیں لیتے ہیں۔“

”جمی! وہ سودا کراتے ہیں... ڈوبی ہوئی رقمیں نہیں نکلواتے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”پھر بھی دس ہزار بہت زیادہ ہیں۔“ اس نے اعتراض کیا۔

”تیری مرضی، لگتا ہے تجھے دو لاکھ کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے بے نیازی سے کہا تو جمی خوشامد پر اتر آیا۔ اس نے اپنی غربت اور بدحالی کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا جیسے ہمارے حکمران آئی ایم ایف کے سامنے اپنی غربت کا کھینچتے ہیں۔ میں بھی آئی ایم ایف والوں کی طرح پسیج گیا تھا اور میں نے اپنا کمیشن دس ہزار سے کم کر کے آٹھ ہزار کر دیا تھا مگر جب جمی کسی بچے کی طرح روتا ہی رہا تو میں نے اس سے کہا۔

”ٹھیک ہے تو نہ دے دس ہزار... مرزا مجھے بیس ہزار دے گا۔“

”بیس ہزار کس بات کے؟“ جمی نے تشویش سے پوچھا۔

السلام علیکم

ہمیں اپنے نئے بلاگ (ویب سائیٹ) کے لئے رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ممبر ناول، افسانہ، ناولٹ لکھنا چاہے تو ہم سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتہ کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمیں ای۔میل کریں یا ان بکس میں میسج کریں۔

شکریہ

Email Address: - aatish2kx@gmail.com

"اس بات کے کرائے تیرے دو لاکھ روپے نہ دیے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اب مجھے مرزا کی تلاش تھی۔ اگرچہ راجا بھی اس کے ٹھکانے سے واقف ہو سکتا تھا مگر وہ مجھے نہیں بتاتا، اس لیے مجھے خود تلاش کرنا تھا۔ میں نے سب سے آسان راستہ اختیار کیا اور استاد نی ٹی کے اڈے پر پہنچ گیا۔ استاد ان دنوں تفریح کی غرض سے دبئی گیا ہوا تھا اور اس کی جگہ جانی چڑیا کام کر رہا تھا۔ ان دنوں وہ استاد کا دست راست بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر اپنے پان زدہ دانت نکالے۔

"اوئے جلیل! تو ادھر... خیریت تو ہے؟"

"استاد! بس تمہیں دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔" میں نے سفید سے بھی کوئی اوپر کا جھوٹ بولا۔ جانی چڑیا کو دیکھنے سے بہتر تھا آدمی چڑیا گھر جا کر کسی لکڑ بگھے کو دیکھ لے۔

"تو دیکھو۔" اس نے گھوم کر اپنی نمائش کی۔ اس وقت اس نے شوخ سرخ رنگ کی شرٹ کے ساتھ چمکتے میرون رنگ کی جینز پہن رکھی تھی۔ اس کے پیروں میں مرحوم مائیکل جیکسن طرز کے جوتے تھے اور اس کے بال پیلے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس ہیئت کذائی کے ساتھ [illegible] بڑے دل گردے کا کام تھا۔ میں نے اس کی تعریف کی کہ اس نے استاد کی عدم موجودگی میں کام بڑے احسن طریقے سے سنبھالا ہوا تھا اور نظم و نسق میں کوئی خلل نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے میرے موٹے موٹے الفاظ اس کے سر کے اوپر سے گزر گئے تھے۔

اس نے پھر دانت نکالے اور نہایت خلوص سے پوچھا۔

"جلیل بھائی! کوئی مسئلہ ہو تو میرے کو بولو۔"

"مسئلہ تو نہیں ہے، ہاں میرا ایک پرانا دوست ان دنوں نہیں مل رہا ہے۔ ادھر استاد کے پاس باقاعدگی سے آتا تھا۔" میں نے آنکھ مار کر کہا۔ "اس کا پتا لگانا ہے۔"

"کون ہے ابھی پتا چل جائے گا۔" اس نے کہا۔

میں نے مرزا کا نام بتایا اور اس نے استاد کے منشی کو طلب کر لیا۔ منشی ترنم لکھنوی طرز کے نمونے تھے اور ہر بات اور کام لہک کر کرتے تھے۔ ان کا کام استاد نی ٹی کی غیر قانونی سرگرمیوں کا ریکارڈ رکھنا تھا۔ استاد نے اپنے علاقے میں کام کرنے والے ہر دو نمبر کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کا پتا استاد کے پاس ہونا چاہیے، تبھی وہ اس علاقے میں کام کر سکتا تھا۔ اگر پتا غلط لکھا تھا تو غلط بیانی کرنے والے کو بڑے عبرت ناک حالات سے گزرنا پڑتا تھا۔

"حکم سرکار!" منشی ترنم نے ہاتھ اور کمر لہرا کر آداب بجا لانے کے بعد پوچھا مگر یہ ان کا اسٹائل تھا ورنہ ان کا تیسری دنیا کی صنف سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کی ایک عدد بیوی اور نصف درجن اولادیں تھیں۔

"اوئے منشی! مرزا کا پتا تو نکالو۔"

"کون سا مرزا؟" منشی جی بولے۔ "میرے سرکار! یہاں تو کوئی چار مرزا ہیں۔"

میں نے مرزا کا پورا نام بتایا تو انہوں نے کھٹ سے اس کا پتا نکال کر دے دیا۔ میں نے جانی چڑیا کا شکریہ ادا کیا اور اس سے جان چھڑا کر وہاں سے روانہ ہوا۔ ورنہ وہ ابھی اپنے حسن انتظام کی مزید تعریف سننا چاہتا تھا۔

☆☆☆

مزے کی بات تھی کہ مرزا جمن خانے کی پچھلی عمارت کے ایک کاٹیج نما فلیٹ میں فروکش تھا۔ جمی کو اس کی اطلاع یوں نہیں ہوئی تھی کہ اندھیرا ہمیشہ چراغ تلے ہوتا ہے۔ ویسے بھی اس عمارت تک جانے کے لیے پوری ایک سڑک گھوم کر آنا پڑتا تھا۔ اس لیے مرزا مزے سے جمی کے برابر میں رہ رہا تھا۔ میں فی الحال مرزا کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا بلکہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کر کیا رہا ہے۔ میں اگلے دن صبح سویرے اس عمارت کے سامنے والی فٹ پاتھ پر تھا۔ اس وقت سب بند تھا اور ایک مہترانی سڑک کی صفائی کر رہی تھی۔ اس نے مجھے فٹ پاتھ سے ہٹنے کو کہا۔

"ابھی مٹی مٹی ہو جاؤ گے بابو۔"

مگر میں مٹی مٹی ہونا چاہتا تھا تاکہ مرزا مجھے آسانی سے نہ پہچان سکے۔ جب میں فٹ پاتھ پر ٹہل ٹہل کر تھک گیا اور سورج سر پر آنے سے میں نے صبح جو مٹی کا میک اپ کیا تھا، وہ پسینے سے دھل گیا... دو گلاس شربت، دو کپ ملباری کی چائے اور ایک ڈبی سگریٹ پینے کے بعد مرزا کوئی بارہ بجے اندر سے برآمد ہوا۔ اس نے حسب عادت کسی سیکرٹ ایجنٹ کی سی مشکوک نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں کچھ فاصلہ چھوڑ کر اس کے پیچھے تھا۔ اس کا رخ گول مارکیٹ کی طرف تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس دکان کی طرف جا رہا ہے جس میں اس نے مبینہ طور پر جنرل اسٹور کھولنا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ دکان بڑے موقع کی جگہ تھی اور اس کا کرایہ کم سے کم بھی پندرہ ہزار ہونا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مرزا دکان کھولنے میں سنجیدہ تھا۔ دکان میں ایک کارپینٹر ریکس بنا رہا تھا اور ان کی تعداد خاصی تھی۔ مرزا نے کچھ دیر اس سے بات کی اور ایسا لگا جیسے اسے کچھ ہدایات دے رہا ہو۔ اس کے بعد وہ روانہ ہوا اور لپک کر ایک بس میں سوار ہو گیا۔ میں نے بہ

www.pkd

مشکل بھاگ کر اس کے عقبی طرف کی سیڑھی کا سہارا لیا اور اللہ پر توکل کرتے جھنے لٹک گیا۔ چھت پر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ اس سارے علاقے میں جابجا کیبل اور بجلی کی تاریں پھیلی ہوئی تھیں جو چھت پر سفر کرنے والے کے لیے سفرِ آخرت کا سبب بھی بن سکتی تھیں۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مرزا کہاں اترے گا اور اگر وہ میری بے خبری میں اتر جاتا تو تعاقب کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ میں جاننے کی کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا تھا کہ کنڈیکٹر کو پاس پا کر بھونچکا رہ گیا۔ وہ نہ جانے کہاں سے اور کیسے آیا تھا۔ جان پر کھیل کر میں نے اسے کرایہ دیا تو وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح لوٹ گیا۔ ہر جھٹکے کے بعد میں خود کو بدستور سیڑھی پر پا کر خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد مرزا کو بے الفاظ دیگر یاد کرتا تھا جس کی وجہ سے میں اس مصیبت میں پھنسا تھا۔ خوش قسمتی سے مرزا جہاں اترا میں نے بس کے رفتار پکڑنے سے پہلے اسے دیکھ لیا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور ایک جیپ کے نیچے آتے آتے بچا۔ اس کے مالک نے مجھے لعنت دکھائی اور کھڑکی سے سر نکال کر چلایا۔ ”اڑے مرنے کا شوق ہے تو سمندر میں جا کر مرو نی... ادھر کیا کرتا ہے۔“

”سمندر دور ہے۔“ میں نے جواباً چلا کر کہا اور مرزا کے پیچھے لپکا۔ وہ ایک گلی میں غائب ہو رہا تھا اور میں نے بروقت اسے ایک عمارت میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ اس عمارت میں زیادہ تر دفتر تھے۔ مرزا ایک ڈسٹری بیوشن کمپنی کے دفتر میں داخل ہوا۔ میں باہر اس کا انتظار کرتا رہا۔ یہ کمپنی جنرل اسٹور کا سامان سپلائی کرتی تھی اور اس کے دفتر کے باہر لگے ناموں سے ظاہر تھا کہ کمپنی کے پاس ملک کی بڑی مینوفیکچرر کمپنیوں کی ڈسٹری بیوشن تھی اور یہ لاکھوں کا کاروبار کرتی تھی۔ مرزا کو یہاں دیکھ کر مجھے خاصی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ وہ سچ مچ جنرل اسٹور کھولنے جا رہا ہے۔ اور اس کا مطلب تھا کہ وہ راجا کو دھوکا نہیں دے رہا تھا مگر ساتھ ہی میرا دل ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ مرزا سدھر سکتا ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس کا سدھرنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ ہمارے سیاست دانوں کا!

یہاں سے نکل کر مرزا کوئی آدھے گھنٹے بعد ایک اور ڈسٹری بیوشن کمپنی کے دفتر پہنچا اور وہاں پر بھی کچھ دیر رکا۔ اس کے بعد اس نے ایک ہوٹل میں ڈٹ کر چکن بریانی کھائی اور چار بجے کے قریب گولڈ لیف کے کش لیتا ہوا واپس اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ میں فتو کے ہوٹل آ گیا جو ان دنوں گہوارۂ امن بنا ہوا تھا کیونکہ فتو نے فی الحال اپنے مرحوم ڈیک کا کوئی متبادل حاصل نہیں کیا تھا۔ البتہ پرانے گاہک حسب معمول چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے اور جب ان کی آواز زیادہ ہی اونچی ہو جاتی تھی تو وہ کھسیا کر چاروں طرف دیکھتے تھے۔ میں نے فتو کو ایک کڑک چائے کا کہا اور بولا۔

”خیال رکھنا... اب کسی اور سرکاری افسر کو یہ جگہ پسند نہ آ جائے۔ لگتا ہے تو نے نذرانہ پہنچانے سے گریز کیا ہے۔“

”اے نہیں... میرے سالے ہیں نا... کوئی مائی کا لال افسر اب ادھر کا رخ کرنے سے پہلے دو بار سوچے گا۔“

میں نے بحث سے گریز کرتے ہوئے اس سے راجا بد بخت کے بارے میں پوچھا۔ ”وہ منحوس کہاں ہے... میں اسے صبح سے تلاش کر رہا ہوں۔“

”اس کی تو مجھے بھی تلاش ہے۔“ فتو نے چائے کی پتیلی میں مزید پتی جھونکتے ہوئے کہا۔ ”اس کے ذمے دو سو بارہ روپے نکلتے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ میں نے میز کا رخ کرتے ہوئے کہا اور چائے پی کر پھر سے راجا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ خوش قسمتی سے وہ مجھے راستے ہی میں مل گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر راستہ بدلنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے بھاگ کر اس کا راستہ کاٹ دیا۔

”کیا بات ہے جمیل... میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔“ اس نے رکھائی سے کہا۔

”راجا! اس وقت تو طفیل کے اس طوطے کی طرح نظر آ رہا ہے جو مطلب نکلتے ہی آنکھیں پھیر لیتا ہے۔“

”مجھے تجھ سے کوئی مطلب نہیں تھا اور نہ ہے۔“ اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ تو میں نے اس سے زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے پارک کی طرف لے گیا۔ راجا نے بازو چھڑانے کی کوشش کی اور پھر دبی زبان میں زبردستی کے نتائج پر لیکچر دینے لگا۔ میں نے اسے ایک درخت کے گرے تنے پر دھکیلا اور خود اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

”راجا! مجھے شرافت سے بتا دے کہ مرزا کس چکر میں ہے؟“

”وہ کسی چکر میں نہیں ہے۔“ اس نے صاف انکار کر دیا۔

”دیکھ، ایسا نہ ہو تو کسی ایسے چکر میں پڑ جائے کہ حوالات اور جیل کی نوبت آ جائے۔ مرزا کوئی سیدھا کام کر ہی نہیں سکتا ہے۔“

”اور تو کر سکتا ہے۔“ اس نے طنز کیا۔

”میری بات چھوڑ... مجھے تو تجھ جیسے دوست نما دشمنوں نے برباد کیا ہے۔ اب میں تیری یاری تو نہیں چھوڑ سکتا۔“

"میری طرف سے اجازت ہے۔" اس نے فراخ دلی سے کہا۔ "چھوڑ دے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ تجھ پر کوئی برائی آئی تو میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"یار! مرزا کوئی چکر نہیں چلا رہا ہے۔ میں خود ہر جگہ اس کے ساتھ گیا ہوں۔ وہ سچ مچ جنرل اسٹور کھول رہا ہے۔" راجا نے عاجزی سے کہا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بتا کہ وہ سامان کیش پر لے رہا ہے یا ادھار پر...؟"

راجا نے مجھے یوں دیکھا جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔ "ایک نئے دکان دار کو ادھار کون دیتا ہے؟ وہ سو فی صد کیش پر کام کر رہا ہے۔"

"تجھے یقین ہے؟"

"ہاں، میرے سامنے ساری بات ہوئی ہے۔" راجا نے سر ہلایا۔ "یار جلیل! تو بلاوجہ مشکوک ہو رہا ہے۔"

"بلاوجہ نہیں... تو مرزا کو نہیں جانتا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے مشکوک ہو رہا ہوں۔"

"بس چند دنوں کی بات ہے، پھر تیرے سارے شک دور ہو جائیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو... تو کام سے لگے تو میں بھی کوئی دھندا کروں۔" میں نے خلوص سے کہا مگر میرے اندر مرزا کے بارے میں شبے میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس کے کام میں کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔ راجا اتنا پُر امید تھا کہ میں نے مزید اس کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر مرزا کوئی چکر کر رہا تھا تو جلد وہ سامنے آ جاتا۔

"جلیل! میں تو کہہ رہا ہوں تو بھی کچھ کر لے۔ تو نے وہ مین بینک میں جو جمع کرایا ہے اس سے کاروبار کر لے اور ساری سے شادی کر لے۔" راجا نے زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی ڈھنگ کا مشورہ دیا تھا۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ "تو جس وہ مین بینک کی بات کر رہا ہے اس میں رقم صرف جمع کرائی جا سکتی ہے، اسے نکلوانے میں جتنی محنت کرنا پڑے گی اتنی محنت کر کے میں اس سے زیادہ رقم کما سکتا ہوں۔"

راجا نے برا سا منہ بنایا۔ "اس کا مطلب ہے شنو تجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔ اس کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"بکواس نہ کر... شنو مجھ سے محبت کرتی ہے۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"بس برا لگ گیا۔" راجا نے قہقہہ مارا۔ "اب جب خود پر آتی ہے تو برا لگتا ہے۔ اب مرزا سے مجھے کوئی فائدہ ہو رہا ہے تو وہ تجھے کیوں برا لگے گا اور میں اسے دھوکے باز کیوں سمجھوں گا۔"

میں نے غور کیا تو مجھے راجا کی بات درست لگی۔ ہم زندگی میں اپنے اپنے لیے ایک دنیا بنا لیتے ہیں اور اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ہم دھوکے کی اس دنیا سے اس وقت تک باہر نہیں آتے جب تک دھوکا خود کھل کر سامنے نہیں آ جاتا۔ میں نے سرد آہ بھری۔ "تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم سب نے اپنے اپنے لیے خوب صورت سہارے تراش لیے ہیں اور ان پر بھروسا کیے بیٹھے ہیں۔"

"بس یار! سب کی اپنی قسمت ہے۔" راجا نے بھی سرد آہ بھری۔ "مجھے معلوم ہے مرزا اچھا آدمی نہیں ہے مگر میں نے خود کو تسلی دے رکھی ہے کہ اس بار وہ دھوکا نہیں کرے گا۔ ممکن ہے وہ سچ مچ بزنس کرنا چاہ رہا ہو۔"

"راجا! ہم محنت کرنے سے ڈرتے ہیں شاید اس لیے اپنے سہارے تلاش کرتے ہیں۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"یہی بات ہے ورنہ دنیا میں اور بھی لوگ ہیں جو اپنے بل بوتے پر کما رہے ہیں، ان میں کوئی برا تو نہیں لگے۔"

اس وقت ہم دونوں اداس اور قنوطی ہو رہے تھے۔ پھر میں نے موضوع بدل دیا۔ "یہ بتا کہ مرزا اپنی دکان کا افتتاح کب کر رہا ہے؟"

"اس نے تاریخ تو نہیں دی ہے کیونکہ کارپینٹر کام میں سستی کر رہا ہے۔" راجا نے بتایا۔ "میں نے مرزا سے کہا تھا کہ اسے جیک لگاتے ہیں مگر اس نے منع کر دیا۔"

"وہ کام اچھا کر رہا ہے۔" میں نے بھی کہا تو راجا چونک گیا۔

"تجھے کیسے پتا؟"

"میں نے خود دیکھا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے تو جاسوسی کر رہا ہے؟"

"ظاہر ہے، جب اس قسم کا کوئی معاملہ ہوگا تو کیا مجھے تجسس نہیں ہوگا اور تو میری جاسوسی نہیں کرے گا۔"

"یار! تو اس معاملے سے دور رہ کیونکہ مرزا نے مجھے خاص طور سے منع کیا ہے کہ تجھے یا جمی کو اس بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔"

"جمی کا تو سمجھ میں آتا ہے، مجھے کیوں منع کیا ہے اس خبیث الدھر نے۔"

www.pkdi

اس نے غور کیا۔ ''جمی کا کیا معاملہ ہے؟''
''میرا خیال ہے یہ جس پیسے سے کاروبار کرنے جارہا ہے وہ اس نے جمی سے حاصل کیے ہیں۔'' میں نے راجا کو مرزا کے چکر کے بارے میں بتایا۔
''اچھا تو مرزا نے یہ کام کیا ہے۔'' راجا حیران ہوا۔
''ہاں، تیرا کیا خیال ہے اس نے کبھی شرافت سے بھی کچھ کمایا ہے؟ خیر اسے چھوڑ... وہ مجھے بتانے سے کیوں منع کر رہا تھا؟''
''اس کا خیال ہے کہ تو اس معاملے میں گڑبڑ کر سکتا ہے۔''
میں نے مرزا کی خاندانی تاریخ میں مناسب ترمیم کی اور اس میں بعض ناپاک اور حرام جانوروں کی آمیزش کی۔ حالانکہ میرے خیال میں یہ ان جانوروں کے ساتھ زیادتی تھی کہ انہیں زبردستی مرزا کے آبا و اجداد میں شامل کر دیا جائے۔ ''یہ اس کے دل کا چور ہے کہ میں اس کی چالبازی نہ بھانپ لوں۔'' میں نے غصے سے کہا۔
''پھر وہی...'' راجا خفا ہو گیا۔ ''تو اس موضوع کی جان نہیں چھوڑ سکتا؟''
''معاف کرنا، غصے میں منہ سے نکل گیا۔'' میں نے جلدی سے معذرت کی۔ ''ممکن ہے وہ سچ مچ کاروبار کر رہا ہو مگر تو ایک بات کا ضرور خیال رکھنا۔''
''وہ کیا؟''
''کسی بھی کاغذ پر دستخط مت کرنا اور اگر مجبوری میں کرنے پڑ جائیں تو غلط کر دینا۔''
''میں خیال رکھوں گا۔'' راجا نے وعدہ کیا۔ شاید وہ بھی اس موضوع سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں اور راجا اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں سیدھا چھت پر پہنچا اور شنو کو ہنگامی سگنل دیا۔ وہ فوراً یعنی دس منٹ بعد آ گئی۔ وہ خفا تھی۔
''اُفوہ... ایک تو تم موقع محل نہیں دیکھتے اور بلاوا بھیج دیتے ہو۔''
''کیا خالہ کو کھانا دے رہی تھیں؟'' میں نے وقت کی مناسبت سے سوال کیا۔ اس پر اس نے برا سا منہ بنایا۔
''کھانا وہ خود لے لیتی ہیں، میں ڈراما دیکھ رہی تھی۔ اب جلدی بولو۔''
''کیا بولوں؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تم نے مجھے مستقبل کا عبرت ناک نقشہ دکھا دیا ہے... جب شوہر اور بچے بھوک سے بلک رہے ہوں گے اور تم کھانا اس وقت دو گی جب تمہارا ڈراما ختم ہو جائے گا۔''
''جی نہیں۔'' شنو شرما کر بولی۔ ''اس وقت میں خیال رکھوں گی۔''
''شنو! اس کے باوجود میں وہ وقت لانے کے لیے بےتاب ہوں۔''
''بے ہودہ!'' شنو نے گھبرا کر کہا۔ ''ابھی کوئی سن لے گا۔''
''سن لے... شادی کرنے میں شرم کیسی...''
''شادی!'' وہ اداس ہو گئی۔ ''اب تو یہ خواب و خیال کی بات لگتی ہے۔''
''میں جلد اسے حقیقت کا روپ دینے والا ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ بتاؤ کہ ہمارے شادی اکاؤنٹ میں کتنی رقم جمع ہو چکی ہے؟''
''ایسے کیسے بتاؤں... ابھی تو مجھے اکاؤنٹ دیکھنا پڑے گا۔''
''پھر بھی ایک آئیڈیا تو ہوگا۔''
''پونے چار یا چار لاکھ ہوں گے۔''
''اچھا۔'' میں نے تعجب سے کہا۔ ''اتنی رقم ہے؟''
''تو اور کیا... تم جو لا کر دیتے تھے، ایک ایک روپیا میں نے سنبھال کر رکھا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''چاہے تو تم حساب لے لو۔''
''شنو!'' میں نے جذباتی ہو کر محبت اور جذبات دونوں کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کی تھی مگر شنو نے مجھے بروقت روک دیا۔ ''تم بہت اچھی ہو۔''
''یہ کیا حرکت ہے۔'' اس نے خفگی سے کہا۔
''ریہرسل۔'' میں نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
''تم نے رقم کے بارے میں کیوں پوچھا؟''
''شنو! میں نے سوچا ہے میں کوئی کاروبار کروں گا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہوں گا۔ پھر اماں کو شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''
''کاروبار کرو گے اور اس کے بعد شادی کے لیے پھر کئی سال پیسے جوڑتے رہو گے۔'' اس نے طنز کیا۔
''نہیں، شادی سادگی سے بھی ہو سکتی ہے۔ بولو سادگی سے کرو گی؟''
وہ شرما گئی۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''
''بس آج سے میں کوئی مناسب قسم کا کاروبار دیکھتا ہوں جسے میں کر بھی سکوں اور اس سے تمہیں دو وقت کی عزت کی روٹی کھلا سکوں۔''

gest.com

شنو نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ''جلیل! تم جو بھی کرو گے شنو کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔''

اب میں پھر سے جذباتی ہو کر وہ حرکت نہ کرتا تو مجھے عاشق کون کہتا اور شنو ایک ادائے محبوبی سے برہم ہو کر بجلی سی نہ مارتی تو محبوبہ کیوں کہلاتی۔ اس نے منہ صاف کیا۔ ''بد تمیز... تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں منہ لگایا جائے۔''

میں نے دانت نکالے۔ ''ایک نے تو مجھے اس سے بھی اونچے اعزاز کے لیے چن لیا ہے۔''

''بس فوراً پٹری سے اتر جاتے ہو۔'' اس نے جاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں دیکھ کر میرے جذبات کا انجن جو بے قابو ہو جاتا ہے۔'' میں ہنسا۔ ''کل تک مجھے ساری رقم کی تفصیل بتانا۔''

''خود نہیں آؤں گی، لکھ کر ڈال جاؤں گی۔'' اس ظالم حسینہ نے کہا اور نیچے غائب ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے جو کیا تھا، اب وہ بہ طور سزا مجھے کچھ دن صورت نہیں دکھائے گی۔ میں بھی سرد آہ بھر کر نیچے چلا آیا۔

☆☆☆

راجا خوش تھا کہ مرزا کی دکان کا افتتاح ہونے والا تھا۔ فتو کے ہوٹل میں چائے نوشی کے دوران اس نے بتایا کہ اسے دکان میں سے تیرا حصہ ملے گا اور وہ اس سے سب سے پہلے تو جیسے کمینے دوست کا ادھار بے باق کرے گا۔ اس نے سرور لہجے میں کہا۔ ''اب مجھے ابا کی غلامی سے نجات مل جائے گی۔''

''راجا! کچھ بھی سہی وہ تیرا باپ ہے۔ تیرے ساتھ جو چاہے سلوک کرے مگر تجھے دھوکا نہیں دے گا۔''

راجا نے منہ بنایا۔ ''تیرا لیکچر شروع ہو گیا۔''

''تو خود سوچ... تو اپنے باپ پر مرزا جیسے شخص کو ترجیح دے رہا ہے؟''

''وہ باپ نہیں میرا دشمن ہے۔''

''ایک وقت ایسا آئے گا جب وہی تجھے بچائے گا۔'' میں نے پیش گوئی کرنے کے انداز میں کہا۔ ''اس وقت تجھے اس کی قدر معلوم ہوگی۔''

''ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔'' اس نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔ ''اب مجھے ابا کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''راجا! مرزا جیسے لوگوں پر اتنا بھروسہ مت کر۔'' میں نے ترس کھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ جب کسی کو ڈبوتے ہیں تو بہت گہرے پانی میں ڈبوتے ہیں۔''

راجا مرزا کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں تھا اس لیے ایک مختصری جھڑپ کے بعد وہ فتو کے ہوٹل سے روانہ ہو گیا اور اس کا بل بھی مجھے ادا کرنا پڑا۔ اس کے جانے کے بعد فتو کے پاس پہنچا۔ اس نے بل وصول کر کے کہا۔ ''یہ راجا پاگل ہو گیا ہے جو مرزا جیسے شخص پر اتنا بھروسا کر رہا ہے۔''

''بس یار! آدمی رنگین خواب بھی تو دیکھتا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہم یاروں میں تو اچھا رہا کہ کام بھی کر لیا اور شادی بھی۔ بچے تو خیر سب کے ہو جاتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟'' اس نے برا مان کر کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ میں بھی تیرے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کو آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک بنانا چاہتا ہوں۔ آخر ہم کسی معاملے میں تو دنیا میں نمبر ون ہوں۔''

''اچھا... کیا تاریخ طے ہو گئی ہے؟'' فتو نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''بہت دن ہو گئے شادی کی بریانی کھائے ہوئے۔''

''اس چکر میں مت رہنا۔ میں نے شادی بالکل سادگی سے کرنی ہے اور اس سے پہلے میں کوئی بزنس کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسا بزنس؟''

''کوئی بھی ہو، بس چلنے والا ہو اور کوئی لفڑا نہ ہو۔''

''میرے سالوں نے ابھی بڑی مارکیٹ میں کچھ دکانیں لی ہیں ان میں ایک ٹیلر کی دکان کھلی تھی۔ مالک کو امریکا کا ویزا مل گیا ہے، وہ دکان بیچ کر جا رہا ہے۔''

''ٹیلر!'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''نہیں یار...''

''تجھے کچھ نہیں کرنا ہوگا۔'' فتو نے میری بات کاٹی۔ ''مالک بھی کچھ نہیں کرتا ہے۔ ایک ماسٹر اور دو کاریگر ہیں۔ ماسٹر کٹنگ اور ڈیزائن کرتا ہے جبکہ کاریگر سیتے ہیں۔ چلتی ہوئی دکان ہے اگر تو کہے تو میں بات کروں؟ مالک کی میرے سالے سے دوستی ہے۔''

''اچھا... کتنے میں مل جائے گی دکان؟'' میں نے سوچ کر کہا۔

''لاکھ روپے تک میں مل جائے گی۔ سیزن آنے والا ہے۔ سارا خرچ نکل جائے گا بلکہ دو تین گنا مل جائے گا۔'' فتو نے ترغیب دی۔

''تو بات کر... اگر ایسی بات ہے تو میں کرنے کو تیار ہوں۔'' میں نے فیصلہ کر لیا۔ ''لیکن میں بات ہونے کے بعد کچھ دن دیکھوں گا۔''

www.pkd

"ہاں... ہاں تو فکر مت کر ہر طرح سے تسلی کر کے لینا... اور مجھے لے میں ضامن ہوں، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اب تو میرے سالے بھی سدھر گئے ہیں۔ میرے ساتھ بہت ادب سے پیش آتے ہیں۔" شنو نے دانت نکالے۔

میں نے گھر آتے ہی اماں کو بتایا تو وہ بولیں۔ "اے لو... کہاں تو کام ہی نہیں کرتے تھے اور اب کیا تو درزی بن رہے ہو۔"

"تو کیا کسی کمپنی میں ڈائریکٹر لگ جاؤں۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "اس میں کیا برائی ہے؟"

اماں سوچ میں پڑ گئیں۔ "ہاں، برائی تو کوئی نہیں ہے... سوائے اس کے کہ عورتیں آتی ہیں۔"

"تو کیا ہوا... عورتوں نے کوئی دکان چھوڑی ہے۔"

"چل تیری مرضی... میں تو اس پر خدا کا شکر ادا کروں گی کہ تو نے حلال طریقے سے کمانے کا سوچا ہے۔"

"کماتا تو میں پہلے بھی حلال کا تھا مگر تمہیں نہ جانے کیوں حرام لگتا تھا۔" میں نے اوپر جاتے ہوئے کہا۔

"حلال تیری اس ہونے والی سوتن کو لگتا ہوگا جو جمع کر رہی ہے۔" اماں نے جل کر کہا تو میں خوش ہوگیا۔

"لگتا ہے میری شادی کا وقت قریب آرہا ہے، جبھی تم شنو کے لیے ساس والے جذبات کا اظہار کر رہی ہو۔"

شنو بھی سوچ میں پڑ گئی۔ "جمیل! تم درزی کا کام کرو گے؟"

"شنو! اس میں برائی کیا ہے۔ آدمی حلال کی کمائے یہ کافی نہیں ہے۔"

"لوگ کیا کہیں گے۔"

"لوگوں کو چھوڑو... تم اپنی کہو۔" میں برہم ہوگیا۔

"میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، میں ہر صورت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لیے تم کچھ بھی کرو۔"

"ایک لاکھ کا بندوبست کر کے رکھنا۔" میں نے جاتے ہوئے کہا۔

"نہ بابا... مجھے بینک سے اتنی بڑی رقم لاتے ہوئے ڈر لگے گا اس لیے چیک دے دوں گی۔"

"مروا مت دینا... آج کل چیک باؤنس ہونے پر پولیس فوراً لے جاتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔" شنو ہنسی۔ "پکا چیک ہوگا۔"

☆☆☆

میں گول مارکیٹ میں مرزا کی دکان کے سامنے تھا۔ اس میں ابھی تک رکشیں بنانے کا کام چل رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ مرزا کتنے رکشیں بنوا رہا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کارپینٹر سے بات کروں کہ وہ کب تک کام کرے گا۔ مگر اسی وقت وہاں مرزا آگیا اور میں جلدی سے اس گلی میں دبک گیا جس میں پہلے سے موجود تھا۔ مرزا کے ساتھ راجا بھی تھا۔ میں نے اسے کارپینٹر پر برہم ہوتے دیکھا۔ راجا سن رہا تھا اس کے بعد مرزا نے راجا سے کچھ کہا تو وہ کہیں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مرزا پھر کارپینٹر سے کچھ کہنے لگا مگر اس کا انداز بالکل مختلف تھا۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ اس کے بعد مرزا بھی کہیں چلا گیا۔ میں نے کارپینٹر سے بات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ وہ مجھے مرزا کا ساتھی لگ رہا تھا۔ اگر مرزا کوئی چکر چلا رہا تھا جیسا کہ مجھے یقین تھا تو وہ کسی صورت مجھے نہیں بتاتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں زیرو زیرو سیون بن کر پتا چلانے کی کوشش کرتا۔

بارہ بجے کے قریب مرزا اور راجا لوٹ آئے تھے۔ وہ دکان میں رکے رہے حتیٰ کہ وہاں ایک ڈسٹری بیوشن کمپنی کا ٹرک آیا۔ میں نے دیکھا کہ مرزا نے کمپنی کے نمائندے کو راجا کے ساتھ دکان میں چھوڑا اور خود ٹرک میں بیٹھ کر کہیں روانہ ہو گیا۔ مجھے تشویش ہوئی۔ مرزا کہاں گیا تھا اور ٹرک والا بھی اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس کے نصف گھنٹے بعد ایک اور ٹرک آیا۔ اس کے آتے ہی مرزا فوراً آگیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کہیں قریب ہی تھا۔ وہ آکر اس ٹرک کو بھی لے گیا اور اس کے نمائندے کو بھی دکان پر راجا کے پاس بٹھا گیا۔ اس کے نصف گھنٹے بعد تیسرا ٹرک آیا تو مرزا اسے بھی لے گیا اور اس کا نمائندہ بھی دکان پر بیٹھا گیا۔

اب میرا شبہ بڑھ گیا تھا اس لیے میں بھی ٹرک کے پیچھے روانہ ہوا۔ تنگ گلیوں میں ٹرک سست رفتاری سے چل رہا تھا اس لیے مجھے تعاقب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ چار پانچ گلیوں بعد ٹرک ایک مکان کے سامنے رکا۔ دو ٹرک پہلے سے وہاں کھڑے تھے اور ان سے سامان کے ڈبے اتار کر اندر لے جائے جا رہے تھے۔ وہاں نصف درجن سے بھی زیادہ مزدور لگے تھے۔ اس ٹرک سے بھی فوری طور پر سامان اتارا جانے لگا۔ پہلا ٹرک تقریباً خالی ہوگیا۔ اس کا سامان اترا تو وہ وہاں سے روانہ ہوگیا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد دوسرا ٹرک بھی خالی ہو کر چلا گیا۔ اب سارے مزدور تیسرے ٹرک کو خالی کر رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں گھوم کر اس مکان کی عقبی گلی میں پہنچا۔ اس طرف مکان مکان سے ملے ہوئے تھے مگر اس مکان کا رخ دونوں طرف

تھا اس لیے ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکلا جا سکتا تھا اور ابھی یہی کام ہو رہا تھا۔ یعنی ایک طرف سے سامان ٹرکوں سے اتارا جا رہا تھا اور دوسری طرف باہر کھڑے بڑے سے ٹرک پر لادا جا رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ ٹرک بھر گیا اور اندر سے مرزا نکلا اور ٹرک میں مزدوروں سمیت سوار ہو گیا۔ میں نے ٹرک کا نمبر نوٹ کیا اور دکان کی طرف بھاگا، سارا کھیل میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ اب مجھے راجا بدبخت کو بچانا تھا۔ میں دکان کے پاس پہنچ کر چلایا۔

''راجا! تیرے باپ کو دل کا دورہ پڑا ہے، اسے اسپتال لے چل۔''

راجا چھلانگ مار کر دکان سے نیچے آیا۔ ''کیا ہوا ابا کو؟ ابھی تو ٹھیک چھوڑ کر آیا تھا۔''

''راجا! جلدی چل ممکن ہے، ان کا دم بھی نکل چکا ہو۔'' میں نے رونے کی اداکاری کی

''آمین!'' بدبخت راجا نے آہستہ سے کہا اور زور سے چلایا۔ ''ہائے ہائے ابا۔''

''اب دیر مت کر۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''ایسا نہ ہو تیرا نہ ہونے والا سسر آ جائے۔'' میرا اشارہ نادر شاہ کی طرف تھا۔

راجا میرے انداز سے ہی سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے اس لیے وہ فوراً میرے ساتھ چل پڑا اور ہم نے پہلا نظر آنے والا رکشا روکا اور اس میں سوار ہو گئے۔ ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کے نمائندے ہکا بکا بیٹھے تھے۔ جیسے ہی ہم ذرا دور آئے، میں نے رکشا رکوا کر میٹر کے مطابق ادائگی کی جس کا رکشے والے نے سخت برا مانا۔ میں راجا کو لے کر قریبی گلی میں گھس گیا۔

''مرزا کمینہ ہاتھ کر گیا۔'' میں نے کہا۔

راجا جاننے کے لیے بے تاب تھا۔ ''کیا ہوا ہے؟ مجھے بھی شک ہو رہا تھا۔ اسے بہت دیر ہو گئی تھی۔''

''اس کا آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ تینوں ٹرکوں کا سامان ایک بڑے ٹرک میں ڈال کر تو دو گیارہ ہو چکا ہے۔''

''نہیں۔'' راجا کراہا۔ ''اس نے تو دس لاکھ کا سامان لیا تھا۔''

''اس نے یہی کہا ہوگا کہ دکان میں کام ہو رہا ہے اس لیے سامان پیچھے گودام میں اتروائے گا۔''

''ہاں... اس نے یہی کہا تھا۔''

''وہ حرامزادہ وہاں سے سامان لے کر فرار ہو گیا۔

ہے۔'' میں سخت مشتعل تھا۔ ''شکر کر میں نے دیکھ لیا ورنہ ابھی تو پولیس کی تحویل میں ان کو یقین دلا رہا ہوتا کہ تیرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کوئی تیری بات پر یقین نہیں کرتا۔''

راجا مجھ سے زیادہ مشتعل تھا۔ اس نے زبانی کلامی مرزا کی ایسی کم تیسی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ بچ اس کی ایسی کم تیسی کر دے گا۔ ''جلیل! تو دیکھنا میں اس کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔''

''وہ تیرے ہاتھ آئے گا تو تو کچھ کرے گا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تجھ جیسے احمق صرف بے وقوف بننے کے لیے ہوتے ہیں۔''

''یار! اب کیا ہوگا؟ مرزا کے ساتھ میری بھی تلاش شروع ہو جائے گی۔'' راجا فکرمند ہو گیا۔

''یہ تو ہوگا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اسی وجہ سے تجھ سے کہہ رہا تھا کہ آنکھیں کھول کر کام کرنا۔ تو نے کسی کاغذ پر سائن تو نہیں کیے تھے؟''

''نہیں... مرزا نے ایک کاغذ پر میرے سائن کرانے چاہے تھے مگر میں جان کر شناختی کارڈ گم ہونے کا ڈراما کر بیٹھا تھا۔''

''شاباش...'' میں نے اس کی پشت تھپکی۔ ''اب کم سے کم تیرے خلاف کوئی کیس تو نہیں بنتا ہے مگر ان کمپنیوں کے مالکان اپنا سارا زور لگا دیں گے۔ اور پولیس ان کے اشارے پر تجھے نہیں چھوڑے گی۔ تجھ سے مرزا کے بارے میں پوچھے گی اور تیرے فرشتوں کو بھی اس کا نہیں پتا ہے۔''

راجا کے چہرے پر بارہ بج گئے۔ ''اب میں کیا کروں جلیل؟''

''غائب ہو جا... کم سے کم اس وقت تک اپنی صورت مت دکھانا جب تک معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا۔''

''ابا تو مجھے گھر میں گھسنے نہیں دے گا۔'' راجا نے مردہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے اس کے سامنے بہت دعوے کیے تھے۔''

''تو زیادہ ہی اونچی اڑان بھرنے لگا تھا... خیر، گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ایسا کر تو اپنے کاموں کے منڈی والے ماموں کے پاس چلا جا۔''

''وہ تو خود آج کل یہاں آیا ہوا ہے اور میرے سارے کرتوتوں سے تفصیلاً باخبر ہے۔''

www.pkd

''ایسا باپ خدا کسی کو نہ دے... اس تو بہتر تھا کہ تو بغیر باپ کے پیدا ہو جاتا۔'' میں نے روانی میں کہا۔ ''ہم... میرا مطلب ہے کہ کوئی مناسب آدمی تیرا باپ ہوتا۔''

راجا نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ میں نے ابھی ابھی اس کی جان بچائی تھی۔ پھر اس پر رقت طاری ہوگئی۔ ''یار! میں کہیں نہیں جا سکتا۔''

میں اس مسئلے کا حل سوچ رہا تھا۔ راجا کا پولیس سے دور رہنا ضروری تھا ورنہ میں بھی لپیٹ میں آجاتا کیونکہ اس کی مدد کرتے مجھے بہت سارے لوگوں نے دیکھا تھا۔ آخر ایک حل سمجھ میں آگیا۔ ''فکر مت کر دوست... ابھی جلیل زندہ ہے۔'' میں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ''میں تجھے ایک جگہ فٹ کر دوں گا مگر تجھے صبر سے رہنا ہوگا۔''

''کہاں؟'' اس کے چہرے پر رونق آگئی۔

''آ چل میرے ساتھ... خود دیکھ لینا۔'' میں نے کہا اور اسے لے کر روانہ ہوگیا۔ جب ہم جمن خانے پہنچے تو راجا کا باپ مر گیا۔

''تو مجھے یہاں لایا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جمی مجھے کسی صورت پناہ نہیں دے گا بلکہ خوشی خوشی پولیس کو اطلاع دے دے گا۔''

''تو فکر مت کر۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔

جمی راجا کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ ''راجا! تو زندہ ہے ابھی تک۔'' اس نے کہا۔

''کیوں، مجھے کیا ہوا تھا؟'' راجا نے پوچھا۔

''تیرا خوں خوار باپ تجھے تلاش کرتا ہوا آیا تھا اور اس نے مجھے بھی بہت گالیاں دیں۔''

''چل کوئی بات نہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ راجا اب تیرے پاس رہے گا۔''

اس بار جمی سچ مچ اچھل پڑا۔ ''جلیل! تیرا دماغ درست ہے؟ میں نے کوئی یتیم خانہ کھول رکھا ہے جو اس باپ والے یتیم کو رکھوں۔''

''راجا خود نہیں رہ رہا ہے، اسے میں رکھوا رہا ہوں۔''

''تو رکھوائے یا یہ خود رہے... میرے پاس جگہ نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''ٹھیک ہے تو پھر تو مرزا والے دو لاکھ روپے بھی بھول جا۔'' میں نے کہا اور راجا کا بازو پکڑا۔ ''چل راجا... یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ کوئی اس کے کام آئے۔''

''ایک منٹ... تو نے کیا کہا؟'' جمی نے مجھے روکا۔

''کچھ نہیں، اب تو نے جو کرنا ہے خود کر۔'' میں نے دکھائی سے کہا تو جمی کتا بھی بن کر مجھے چمٹ گیا۔

''ابے جلیل... بھائی تو تو فوراً برا مان جاتا ہے۔''

''جمی... مرزا میری گرفت میں ہے۔ ... وہ وقت راجا کی تلاش میں ہے۔ جب تک ... سے تیری رقم بھی نکلوا لیتا، راجا کا اس کی گرفت سے دور رہنا ضروری ہے۔''

''راجا بھی میرا یار ہے۔ جب تک چاہے میرے پاس رہے۔'' جمی نے فوراً پٹری بدل لی تھی۔

''اسے چھپا کر رکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے طعام کا بندوبست بھی تجھے کرنا ہوگا کیونکہ باہر مرزا کے کرگے اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔ ایک بار یہ ان کے ہاتھ آگیا تو تیری رقم بھی جائے گی۔''

''اچھا۔'' جمی نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں اس کے کھانے کا خیال بھی رکھوں گا۔''

میں نے راجا کو آنکھ ماری۔ ''اب تو آرام سے یہاں رہ خبردار! باہر جھانکنا بھی مت۔''

میں راجا کو جمی کے پاس چھوڑ کر روانہ ہوا۔ اب مرزا نے جو چکر چلایا تھا اور اس نے ڈسٹری بیوشن کمپنیوں سے جو فراڈ کیا تھا اس کا احوال کچھ یوں تھا کہ اس نے ایک دکان کرائے پر لی، صرف ایک مہینے کے لیے اور اسے ایک کارپینٹر کو دے دیا کہ وہ اس میں اپنا کام کرے۔ وہ بھی مرزا سے ملا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے مروانے کے لیے راجا کو ساتھ ملایا۔ ڈسٹری بیوشن کمپنیوں سے بات کی اور وہاں بھی راجا کو ساتھ رکھا۔ ان سے مجموعی طور پر دس لاکھ کے سامان کی بات کی اور جس تاریخ کو سامان ڈلیور ہونا تھا اس دن بھی دکان میں کام جاری رکھا۔ اب سامان دکان میں نہیں اتر سکتا تھا۔ اس کے لیے اس نے گودام کا بہانہ کیا اور اس مکان میں سامان اتروا لیا جس کا ایک دروازہ پیچھے بھی کھلتا تھا۔ ادھر سے سامان اترتا تھا اور دوسری طرف سے دوسرے ٹرک میں سوار ہو جاتا تھا۔ ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کے نمائندے دکان پر راجا کے ساتھ مطمئن بیٹھے تھے کہ ابھی مرزا آکر ان کو ادائیگی کرے گا مگر مرزا تو دس لاکھ کا سامان لے کر اڑن چھو ہو چکا تھا۔ اگر میں راجا کو بروقت وہاں سے نہ نکالتا تو اس وقت وہ حوالات میں بیٹھا اپنی قسمت کو رو رہا ہوتا اور سارا ملبا اس پر گر چکا ہوتا۔

راجا پر کیا گزری، میں نے مرزا کے ساتھ کیا کیا... اور ٹیلر کی دکان کا کیا بنا... یہ میں جاسوسی کے پیارے قارئین کو اگلی کہانی میں بتاؤں گا۔

❁ ❁